اقبال اور مابعدِ جدید اُردو نظم کے فکری اشتراکات

Convergences Of Modern Poetry In Iqbal And Afterwards

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل ، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، ڈویژن آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، لوئر مال کیمپس، لاہور

Dr. Nabeel Ahmed Nabeel, Assistant Professor, Dept. of Urdu, University of Education, Lahore

ڈاکٹر شیر علی، ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ اُردو، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

Dr Sher Ali, Associate Professor, Dept. of Urdu, Alhamd Islamic University, Islamabad

Abstract

We find similarities among modern Urdu poem writers in terms of topics and forms, along with ideological repetition. These poets have imbibed the standards set by their illustrations predecessors, and have also impacted their contemporaries in a positive manner. Sometimes they share the same thoughts and in other instances, we find similarity of outlook as far as word play and symbolic descriptions are concerned. The writers of Urdu poems who were contemporaries of Iqbal and those who came after him, were in a way victims of similarity for they were products of the same decadent political, social and economic order. In poems of Iqbal, Meeraji, Majeed Amjad, Sahir Ludhianvi and Akhtar ul Iman, we find discovery of splendid cultural edifice and glory of the past. In these poems, out of the vestiges of Mughal architecture, we find descriptions of a dying culture and erosion of sound values. These poets have partaken influences of western poetic traditions, influences which have impacted their poetic forms. Iqbal and successors of Iqbal, these poets were aware of revolutionary ideas of both the East and the West and were cognizant of the underlying factors behind the fall of nations. These poets have given full appreciation to the grandeur of royal architecture, but have in its wake, also lamented their erosion and erosion of values associated with those times. The poems under present consideration, bespeak of a myriad of convergences.

Key words: Iqbal, Modern Urdu poem, Meera ji, Majeed amjad, , Sahir Ludhianvi and Akhtar ul Iman

کلیدی الفاظ: اقبال، جدید اردو نظم، میر اجی، مجید امجد، ساحر لدھیانوی، اختر الایمان

جدید اردو نظم نگاروں کے سخن میں ذہنی و فکری سطح پر مخصوص حالات میں بعض سطحوں پر میلانات و رجحانات کے انسلاکات و اشتراکات کا احساس ہوتا ہے۔ کہیں ذہنی و فکری سطح پر انسلاکات و مماثلات کا احساس ہوتا ہے تو کئی ایک سطحوں پر لفظی اور علامتی پیرایۂ اظہار میں مماثلتیں پائی جاتی ہیں۔ اقبال اور مابعدِ اقبال اُردو شعرا کے ذہن و فکر پر نو آبادیاتی دور کے اثرات کی غمازی ہوتی ہے تو کئی ایک سطحوں پر ایک خاص طرح کے ذہنی دباؤ کا بھی پتا چلتا ہے۔، ظاہر ہے کہ ایک جیسے حالات اور صورتِ احوال کے نتیجے میں ایک طرح کی یاسیت اور اُداسی نے بھی جنم لیا۔ نو آبادیاتی دور کے زیرِ اثر شخصی احساسات کی کھینچا تانی کے مظاہر بھی ایک جیسے ہیں۔ برصغیر میں نو آبادیاتی عہد کے سیاسی، سماجی اور خاص طور پر معاشی حالات بھی اردو شاعری میں موضوعاتی اشتراک وانسلاک کا باعث بنے ہیں۔ مغربی شعر وادب کے مطالعہ سے بھی نظم نگار موضوع اور ہیئت کی یکسانیت کا شکار ہوئے۔ تراجم اور انگریزی رومانوی شعرا کے اثرات کی وجہ سے بھی جدید اردو نظم نگاروں کے موضوعات اور شعری رجحانات میں اشتراکات ملتے ہیں۔ اردو نظم نگار شعرا نے روایت اور انگریزی شاعری سے یکساں اثرات قبول کیے۔ روایت کی پاسداری اور انگریزی شاعری کے اثرات کا یہ سلسلہ کلاسیکی عہد سے دور نظم جدید تک پھیلا ہوا ہے۔ اقبال کو فارسی اور اُردو زبان پر عدیم النظیر نوعیت کی قدرت حاصل تھی ۔ اقبال نے نثر میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لیے انگریزی زبان کو بھی وسیلے کے طور پر اختیار کیا۔ وہ مغربی افکار سے براہِ راست متاثر ہوئے، اس ضمن میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> ”اقبال کے سامنے انگریزی شاعری کے نمونے موجود تھے۔ انگریزی شاعری ایک آزاد قوم کی شاعری ہے۔ یہ قوم طرح طرح کے انقلابات سے گزری اور اس کی تاریخ میں شروع سے آخر تک حریت نظر آتی ہے۔ اس میں اچھے اور برے مطلق العنان اور پابندِ آئین و دستور ہر طرح کے بادشاہ و حکمران گزرے ہیں لیکن اس قوم میں کبھی غلامانہ ذہنیت پیدا نہیں ہوئی۔“(۱)

انگریزی شاعری سے اقبال اور مابعد کے نظم نگار یکساں متاثر نظر آتے ہیں۔ اقبال یورپ گئے تو یورپی سماجی و ثقافتی بشریات کا براہِ راست مشاہدہ کیا، اس لیے وہ اردو کی روایتی مبالغہ آمیز شاعری اور مصنوعی جذبات واحساست کی ترجمانی سے دام کشاں رہے۔ اقبال نے مشرق و مغرب کے فکری امتزاج اور فلسفیانہ انسلاکات سے جدید اردو نظم کو ایک بالکل ہی منفرد اور نیا انداز عطا کیا اور اپنی نظموں میں مشرقی آہنگ اور ہیئتی نقطۂ نظر کو ہمیشہ مرکزی حیثیت کا حامل خیال کیا۔ اقبال نے اپنی شاعری میں ماضی کے عظیم ورثے کی بازیافت کی، جذبے، احساسات اور جدید اسالیب کے امتزاج کو ہمیشہ تقویمِ وقت کے مطابق ندرت سے ہم کنار کیا، ظاہر ہے کہ مذکورہ صورتِ احوال سے اُن سے قبل آزاد، حالی اور دیگر رومانوی شعرا کی نظمیں بڑی حد تک عاری ہیں، اقبال نے مذہبی اور تاریخی علوم کو تخلیقی تجربے میں منقلب کر کے جُداگانہ طرز ایجاد کی۔ اقبال کے کلام میں مسلمانوں کے عروج اور پھر زوال کو لے کر ایک طرح کا انبساط بھی ہے تو دوسری جانب ایک طرح کا ملال اور رایگانی بھی ہے، مذکورہ احساس کے بارے میں نگہت ناہید ظفر لکھتی ہیں:

> ”ان کے ہاں شاہین اور مردِ مومن جیسی علامات ماضی کے اسی عظیم الشان اسلامی ورثے سے لی گئی ہیں۔ ان کی خضرِ راہ، طلوعِ اسلام، مسجدِ قرطبہ، ہسپانیہ، ذوق وشوق، ساقی نامہ جیسی نظموں میں اسلامی تاریخ کی عظمت اور مذہبی ماورائی اعتقادات کی وہی فضا ہے جو ہمیں ورڈزورتھ کی نظموں New Churches,Crusadsاور Church To Be Erected، ولیم بلیک کی نظم Jerusalemاور ڈبلیو بی ییٹس کی نظم Bazantium میں نظر آتی ہے۔ اقبال کی شاعری میں تاریخِ اسلام کا ایک رومانی تصور ملتا ہے۔“(۲)

دلی، بغداد، قرطبہ اور قسطنطنیہ مسلمانوں کے اقتدار اور تہذیب وتمدن کے اہم مراکز تھے اس لیے اقبال نے اپنی نظموں میں اس عظیم تہذیبی ورثے کی بازیافت کی ہے۔ اقبال مشرق و مغرب کے تمام انقلاب آفریں نظریات اور قوموں کے عروج وزوال کے اسباب سے مکمل باخبر تھے۔ عہد رفتہ اور ماضی کی عظمت اور جلال وجمال اقبال اپنی سرشت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ انھوں نے نظم ”مسجد قرطبہ “میں ہسپانیہ کے مسلمانوں کے طرزِ تعمیر تمام تر تخلیقیت کے ساتھ منقلب کیا ہے اور اس وقت کا تعین بھی کیا ہے جب وہاں مسلمان حکمران تھے اور اب مسلمان پستی اور شکست کا شکار ہیں۔ اقبال نے اس نظم میں مسلمانوں کے

عروج وزوال کی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ اقبال نے نظم ''مسجد قرطبہ'' میں اس طرزِ حکومت کی یاد تازہ کی ہے جسے اولین دور میں مسلمان حکمرانوں نے پیش کیا تھا۔ اقبال دور اوّل والا عدل اور مساوات کا نظام چاہتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کی حقیقی آزادی اور اسلامی جمہوریت کی راہنمائی کی۔ اقبال کے بعد ن م راشد، مجید امجد، اختر الایمان اور ساحر لدھیانوی نے بھی اسی نوع کی نظمیں لکھی ہیں۔ ان کی نظموں میں مسلمان شہنشاہوں کی بادشاہت کے جاہ وجلال اور شکست وریخت کے ساتھ ساتھ وقت کی بدلتی ہوئی قدروں، معیارات اور طرزِ تعمیر کو بیان کیا گیا ہے۔ مسلم حکمرانوں کے حسن تعمیر کے بارے میں مظفر حسن ملک، اقبال کے ایک مکالمے کو اس طرح لکھتے ہیں:

> ''اندلس کی بعض عمارتوں میں بھی اسلامی فن تعمیر کی اس خاص کیفیت کی جھلک نظر آتی ہے (جسے علامہ اقبال نے ''مسجد قوت الاسلام'' میں سنگینی کہا ہے) لیکن جوں جوں زندگی کے قویٰ شل ہوتے گئے تعمیرات کے اسلامی انداز میں ضعف آتا گیا۔ وہاں کی تین عمارتوں میں مجھے ایک خاص فرق نظر آیا ''قصر زہرا'' دیووں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے، ''مسجد قرطبہ'' مہذب دیووں کا مگر الحمرا مہذب انسانوں کا۔۔۔۔ تاج محل میں مسجد قوت الاسلام والی کیفیت اس میں نظر نہیں آتی۔ بعد کی عمارتوں کی طرح اس میں بھی قوت کے عنصر کو ضعف آگیا ہے اور دراصل یہی قوت کا عنصر ہے جو حسن کے لیے توازن قائم کرتا ہے۔''(۳)

مسلم تہذیب وثقافت ہسپانیہ میں عروج حاصل کرنے کے بعد زوال پذیر ہو گئی ،اقبال نے اپنی نظم ''مسجد قرطبہ'' میں اسی تہذیبی وثقافتی عظمت اور جاہ وجلال کو علامتی انداز میں بیان کیا ہے۔ اقبال کے نزدیک اس مسجد کی تعمیر ایک معجزہ ہے۔ انھوں نے اس نظم میں مسلم حکمرانوں، شہسواروں اور معماروں کی عظمت، صلاحیت، پر شکوہ طرز زندگی اور نظام حکومت کی تصویر کشی کی ہے۔ ''مسجد قرطبہ'' اقبال کی لازوال طویل نظم ہے۔ یہ نظم اقبال کے فکر وفن کا بہترین اظہار اور نمونہ ہے۔ اس میں کل آٹھ بند ہیں ہر بند مطلع سے شروع ہوتا ہے اور ہر بند میں اشعار کی تعداد یکساں ہے۔ ہیئتی اعتبار سے یہ ترکیب بند نظم، غزلِ مسلسل کی فارم میں ہے۔ اس نظم میں انھوں نے مسلم اندلس کو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ انھوں نے مسلم اندلس کی عظمت، شان وشوکت، علمی برتری اور آٹھ سو سالہ حکومت کا تذکرہ کیا۔ اندلس کے مسلمانوں کو جبراً عیسائی بنائے جانے کی دل خراش داستان بھی تاریخ کی آنکھوں میں پتھرا سی گئی ہے، انسانی تاریخ کا یہ ایک اندوہ ناک باب اور المیہ ہے۔ مذکورہ نظم میں قرطبہ، غرناطہ اور دوسرے ہسپانوی شہروں کو یاد کیا گیا ہے۔ الحمرا کے درودیوار اقبال کے متخیلہ میں منقش ہیں

اور مسجد قرطبہ کی اذانیں اُن کی سماعتوں میں محفوظ ہیں۔ اس نظم کی ترتیب اور ہیئت سے متعلق ڈاکٹر عبدالمغنی نے لکھا ہے:

> ''اس نظم کی ترتیب ہیئت میں شروع سے آخر تک ایسی کامل یکسوئی اوراس کے عناصر ترکیبی کے دوران ایسی مکمل پیوستگی ہے کہ خود اقبال کی دوسری اہم نظموں میں مواد کی انتہائی پیچیدگی کو انتہائی ہم آہنگی میں مرتکز کرنے کی اتنی بڑی مثال اتنے پیمانے پر نہیں ملتی۔'' (۴)

اس نظم کے آٹھ بند ہیں اور ہر بند میں آٹھ آٹھ شعر ہیں یوں یہ کل ۶۴ اشعار پر مشتمل نظم اقبال کے فکر و فن کا نادر شاہکار ہے۔ نظم میں زندگی، عشق، وقت کی تقویم، فنا، عصر ،ایمان اور دیگر موضوعات پیش کیے گئے ہیں۔ شاعر نے تاریخ اسلام اور اسلامی و تہذیبی روایت کی تصویر کشی کی ہے۔ انھوں نے مسجد قرطبہ کو مسلم امت کی علامت بنا کر پیش کیا ہے ۔ فردوس گمشدہ اور مسلم تہذیب کے تباہ حال شہروں کو علامتی صورت میں پیش کیا ہے۔ ''مسجد قرطبہ'' لکھ کر اقبال نے اردو نظم میں نئے اسلوب کی داغ بیل ڈال دی ہے۔ اس نظم میں مفتعلن ،فاعلن، مفتعلن ،فاعلن بحر استعمال کی گئی ہے جس سے غیر محسوس طور پر شعری ترنم کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ اقبال نے الفاظ کو ترصیع کی صناعی سے اس طرح برتا ہے کہ عروضی وقفہ اور قافیے موسیقی کا ایک نیا نظام مرتب کرتے نظر آتے ہیں۔

اقبال علامتی پیرایۂ بیان کی فنی اہمیت سے پوری طرح آگاہ تھے۔ ان کی نظم نگاری حالی اور آزاد کی قائم کی ہوئی روایت سے الگ نظر آتی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے ان کی نظمیں روایت سے جڑی ہوئی ہیں لیکن ان کا آہنگ نیا ہے۔ ان کی لے الگ ہے۔ اقبال نے جدید اردو نظم کی روایتی ہیئتوں میں نئی جان ڈال دی اس لیے مابعد کے نظم نگار اقبال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اقبال کے معاصرین اور بعد میں آنے والے نظم نگاروں پر اقبال کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''اقبال نے بلاشبہ اردو نظم کے مزاج اور آہنگ میں زبردست تبدیلی پیدا کی، انھوں نے بالخصوص اردو نظم کو معنوی اعتبار سے بلندیوں اور وسعتوں سے آشنا کیا اور یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اقبال کے بعد آنے والے نظم نگاروں نے جلد ہی جدید نظم کے بارے میں اقبال کی بیش قیمت خدمات کا اعتراف کر لیا۔۔۔ بہر حال یہ امر مسلمہ ہے کہ اقبال نے آنے والے شعرا کو بہت متاثر کیا ہے۔''(۵)

اقبال کا اپنا ایک مخصوص ڈکشن ہے، انھوں نے اپنے مخصوص تصورات کی علامتیں اور استعارے بنائے ہیں۔ نظم ''مسجد قرطبہ'' ایسی مثالوں میں سے ایک ہے۔ قرطبہ کی مسجد میں تعمیر کا فن مرکز و محور ہے لیکن اس مسجد نے شاعر کے ذہن میں چند تصورات بھی ابھارے ہیں۔ یہ نظم اقبال کے تصور زمان و مکان کی مظہر ہے۔ اقبال نے نظم کے ابتدائی اشعار میں '' سلسلہء روز و شب ''کو زمانی لکیر کے روپ میں پیش کیا ہے یہ وقت کے بہتے ہوئے دھاروں کی طرف اشارہ ہے۔ یہ نظم جدید اردو نظم میں کلاسک کا درجہ رکھتی ہے۔ اقبال نے اسے انتہائی معروف ہیئت میں لکھا ہے، مسلم طرز تعمیر کی عکاسی کرتے ہوئے یہ اشعار دیکھیے:

تیرا جلال و جمال ، مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل ، تُو بھی جلیل وجمیل
تیری بِنا پایدار ، تیرے ستوں بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ نخیل
تیرے در و بام پر وادیِ ایمن کا نور
تیرا مینارِ بلند جلوہِ گہِ جبرئیل
مٹ نہیں سکتا کبھی مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
اس کی زمیں بے حدود ، اس کا افق بے ثغور
اس کے سمندر کی موج ، دجلہ و دینوب و نیل
اس کے زمانے عجب ، اس کے فسانے غریب
عہدِ کہن کو دیا اِس نے پیامِ رحیل
ساقیِ اربابِ ذوق ، فارسِ میدانِ شوق
بادہ ہے اِس کا رحیق ، تیغ ہے اس کا اصیل
مردِ سپاہی ہے وہ ، اس کی زرہ لا الہٰ
سایۂ شمشیر میں اس کی پنہ لا الہٰ

کعبۂ اربابِ فن! سطوتِ دینِ مُبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں
ہے تہِ گردوں اگر حُسن میں تیری نظیر

قلبِ مسلماں میں ہے ، اور نہیں ہے کہیں
آہ وہ مردانِ حق ! وہ عربی شہسوار
حاملِ خلقِ عظیم ، صاحبِ صدق و یقیں
جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمزِ غریب
سلطنتِ اہلِ دلِ فقر ہے ، شاہی نہیں
جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی خرد راہ بیں
جن کے لہو کی طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط ، سادہ و روشن جبیں
آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غزال
اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دل نشیں
بُوئے یمن آج بھی اِس کی ہواؤں میں ہے
رنگِ حجاز آج بھی اِس کی نواؤں میں ہے(۶)

مسجدِ قرطبہ کے حسن تعمیر، تعمیری عظمت، شکوہ اور جلال وجمال کی کیفیات نے اقبال کی تخیل کو بے حد متاثر کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال کا تخیل اس مکانی اور زمانی نقطے کے گرد گھومتا رہا۔ موضوعاتی اشتراک وانسلاک کی بات کریں تو میراجی کی نظم ''اجنتا کے غار'' اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' سے اشتراک رکھتی ہے کیوں کہ ان دونوں نظموں میں طرز تعمیرات کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ میراجی نے اس نظم میں ہندوستان کی تاریخ رقم کی ہے۔ انھوں نے اجنتا کے غاروں میں بنی ہوئی تصویروں اور وہاں پر رکھی ہوئی مورتیوں کے حالات خصوصاً گوتم بدھ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ میراجی نے زیادہ تر آزاد نظمیں کہیں اور پابند نظموں میں ہیئت کے تجربے کیے۔ ہندی الفاظ اور شعری اثرات کو شعوری طور پر اپنائے۔ انھوں نے تمثیلی، ایمائی اور اشاراتی انداز اور جدت پسندی سے مجید امجد، اختر الایمان، قیوم نظر، یوسف ظفر، مختار صدیقی اور ضیا جالندھری کو بے حد متاثر کیا۔ ان کی نظم ''اجنتا کے غار'' اقبال اور مابعدِ اقبال کی چند جدید اردو نظموں سے موضوعاتی اشتراک کی حامل ہے۔ نظم ''اجنتا کے غار'' کا آغاز پابند ہیئت میں مربع کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر مثنوی کی صورت اپناتی ہے۔ بعد ازاں، معرا اور آزاد ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔ قوافی کا کوئی باقاعدہ التزام تو نظر نہیں آتا البتہ کہیں کہیں قافیہ ضرور ملتا ہے۔ اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' بھی ایک طویل نظم ہے جب کہ میراجی کی نظم

''اجنتا کے غار'' بھی طویل ہے۔ میراجی کے یہاں بھی عظیم تہذیبی اقدار کی پاسداری اور ماضی کی عظمت کا احساس ملتا ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

> ''اجنتا کے غار'' ان کی طویل نظم ہے جس کی تکنیک شعور کی رو کی تکنیک کے مشابہ ہے۔ نظم ایک دھیمی سی مترنم لے کی حامل ہے۔ یادوں اور خیالوں کے آہستہ رو قافلے بادلوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔ یہ نظم کئی کہانیاں لیے ہوئے ہے۔ غاروں کے اندر نقوش میں لپٹی ہوئی کہانیاں۔ یہ نظم کئی جگہوں پر شعریت کی سطح پر اترنے کے باوجود قابل مطالعہ ہے۔ یہ اور اس نوع کی دوسری نظمیں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ میراجی جنسی لذتیت کی سطح سے اوپر اٹھ کر عظیم تہذیبی قدروں کی پاکیزگی اور عظمت کا بھی احساس رکھتے تھے۔''(۷)

میر جی کی نظم ''اجنتا کے غار'' ملاحظہ کیجیے:

دھیان کی جھیل میں لہرایا کنول کا ڈنٹھل
سوچ آتی ہے مجھے کیوں ہوئی پروا چنچل
دھیان کی جھیل میں ہر چیز ہے کومل شیتل
جیسے ناری ہو اٹھائے ہوئے امرت چھاگل

میلے کپڑوں کی طرح لٹکی ہوئی تصویریں
بیٹے دن رات مرے سامنے لے آئی ہے
کئی راجہ ہیں یہاں ایک ہی راجہ بن کر
ایک ہی تاج کے ہیرے ہیں کئی ہیرے ہیں

نظم ''اجنتا کے غار'' کا اگلا حصہ آزاد ہیئت میں ہے۔ یہ مصرعے ملاحظہ کیجیے:

کیا کنول تال کا منظر نہیں دیکھا تو نے / پیڑ بھی ہیں، پتے بھی ہیں، پودے بھی لہراتے ہیں / سوکھتے جاتے ہیں جو پتے وہ گر جاتے ہیں / یہ سماں دیکھ کے اک دھیان مجھے آتا ہے / پہلے چپٹی تھی زمیں، سیب نے گر کر اس کو / کرہ ارض کی صورت دے دی / ایک نہی جست میں طے ہو گیا رستہ سارا / چل کی چھنا کی طرح اسپِ سبک سیر کو جب لیس کیا / جلوۂ قلبِ جہاں مجھ

کو نظر آنے لگا / ایک ہی رنگ پہ تھا وقت کے دریا کا بہاؤ / کس میں جرات تھی کہ اس سیل کو وہ روک سکے / ایک انسان مگر آیا اسی نے روکا / بن گیا وقت بھی اک ذہن کے دریا کا بہاؤ / میں نکل آیا ہوں اب سنگ کی محرابوں سے / جن کا اک گہرا تصور ہے مرے ذہن کے آئینے میں / ایک ہی جست نے پہنچایا ہے میرے دل کو / راجدھانی میں کپل دستو کی / آج بر آئی رانی کی تمنا شاید / شہر ہنگامہ عشرت ہے، ہر اک پیر و جواں / رقص و نغمہ کے دھندلکے میں چھپا جاتا ہے / گویا چکر پہ اُلٹ کر نہ چلے گا ہر گز / ان اندیشہ تھا اک خام خیال / پھر وہی دور پلٹ آیا ہے، اب راجکمار / رشکِ فردوس محل کی زینت / یعنی شہزادی یشودھا کو لیے آتا ہے / ان کا اندیشہ تھا اک خام خیال / پھر وہی دور پلٹ آیا ہے / اب مہاراجہ نے پوتے کی مسرت کا سماں دیکھا ہے / لیکن افسوس کہ بیٹے کے جنم پر اس کے / عیش میں اک چبھن درد کی در آئی ہے / وہم کیسے کہیں؟ اک پنڈت نے / زائچہ دیکھ کے اک بات کہی تھی سب سے / اور مہاراجہ کے فرمان کی ہی دیر تھی اک چشم زدن میں دیکھو / بن گیا جھیل کی آغوش میں راج محل / کس کو معلوم تھا اک آنکھ جھپکنے میں--- تمام / نقشہ عیش پہ یوں اوس ہی پڑ جائے گی / سجی محفل ہی اجڑ جائے گی(۸)

مجید امجد نے اپنی نظموں میں کام یاب استعاراتی تجربے بھی کیے ہیں۔ ان کی متعدد نظمیں میر اجی کے زیر اثر ملتی ہیں۔ ان کی نظموں پر میر اجی کے گیتوں کا اثر بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ہیئتی اعتبار سے ان کی نظمیں پابند، نیم پابند اور آزاد ہیں۔ ان کی آزاد نظمیں میر اجی کے زیر اثر ہیں۔ ان کی کچھ نظموں میں سماجی مسائل کی عکاسی ملتی ہے جس کی بنا پر ان پر ترقی پسند نظریے کا گمان گزرتا ہے اور بعد میں ان کی نظموں میں سماجی پہلو غائب ہو گئے ہیں اور ان کی جگہ فطرت نے لے لی ہے۔ مجید امجد نے تمثیلی انداز میں زندگی کی معنویت بیان کی ہے۔ وہ زندگی کی محرومیوں اور سماجی ناہمواریوں پر برہم دکھائی دیتے ہیں لیکن انھوں نے اس کا اظہار ترقی پسندوں کی طرح جاگیر دار طبقے کو ختم کر کے نہیں بل کہ وقت کی خاموش پکار بن کر سامنے آئے ہیں۔ مجید امجد کی نظمیں فکر و فن دونوں اعتبار سے اقبال اور مابعدِ اقبال کی جدید اردو نظم سے مماثلت رکھتی ہیں۔ اس کی بڑی وجہ ایک عہد کا سماجی ماحول ہے۔ ان کی شاعری اختر الایمان کی طرح کسی خاص نقطہ ء نظر سے انسلاک نہیں کرتی بل کہ متنوع نقطہ ہائے نظر کی حامل ہیں۔

مجید امجد کی نظم ''مقبرہ جہانگیر'' اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ''اور مابعدِ اقبال کی نظموں ''اجنتا کے غار''، ''مسجد''، ''تاج محل''اور ''نور جہاں کے مزار پر'' سے موضوعاتی

وہیئتی اشتراک رکھتی ہے۔ مجید امجد کی اس نظم میں مسلمانوں کے تہذیبی انہدام کی بات کی گئی ہے۔ تہذیبی انہدام کا یہی پہلو اقبال کی ''مسجد قرطبہ، میراجی کی ''اجنتا کے غار'' اور ساحر لدھیانوی کی نظموں ''تاج محل'' اور ''نور جہاں کے مزار پر'' میں نظر آتا ہے۔ مجید امجد کی اس نظم میں مغل حکمرانوں کے جاہ وجلال اور شکست کا بیانیہ اور طرز تعمیر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ مجید امجد ایک مخصوص جذباتی کیفیت کے شاعر ہیں انھوں نے ماحول اور گردوپیش کی اشیا کو پورے تاثر کے ساتھ محسوس کیا ہے۔

زنگ آلود کمر بند ، صدف دوز عبا
یہ محافظ ، تہ محراب عصا تھامے ہوئے
کھانستی صدیوں کا تھوکا ہُوا اِک قصہ ہیں
اِسی گرتی ہوئی دیوار کا اِک حصہ ہیں!

کھردرے ، میلے ، پھٹے کپڑوں میں بوڑھے مالی
یہ چمن بند ، جو گزرے ہوئے سلطانوں کی
ہڈیاں سینچ کے پھلواڑیاں مہکاتے ہیں
گھاس کٹتی ہے کہ دن ان کے کٹے جاتے ہیں

مرمریں قبر کے باہر چمن و قصر و اُطاق
کوئلیں ، امریاں ،جھونکے ، روشیں ، فوارے
اور--- کچھ لوگ کہ جو محرم آداب نہیں!

مرمریں قبر کے اندر ، تہِ ظُلمات کہیں
کرمک و مور کے جبڑوں میں سلاطیں کے بدن

کوئی دیکھے ، کوئی سمجھے تو اس ایواں میں جہاں
نور ہے ، حسن ہے ، تزئین ہے ، زیبائش ہے
ہے تو بس ایک دکھی روح کی گنجائش ہے
تم نے دیکھا کہ نہیں آج بھی اِن محلوں میں

قہقہے جشن مناتے ہوئے نادانوں کے
جس کسی ٹوٹتی محراب سے ٹکراتے ہیں
مرقدِ شاہ کے مینار لرز جاتے ہیں!(۹)

مجید امجد کی نظم مقبرہء جہانگیر مربع ہیئت قطعہ کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ لیکن اس نظم میں انھوں نے ہیئت کا تجربہ کیا ہے۔ انھوں نے مربع کی ہیئت میں کچھ تبدیلی کرتے ہوئے ہر بند کا تیسرا اور چوتھا مصرع ہم قافیہ بنایا ہے۔ یہ نظم بحر رمل کے ارکان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن میں ہے۔ اس نظم میں فارسی تراکیب کا استعمال زیادہ ہے۔ مجید امجد نے اس نظم میں جہاں بادشاہ کی تعمیر کرائی ہوئی پر شکوہ عمارتوں محلوں، قعلوں اور مقبروں کی شان وشوکت اور عظمت کا ذکر کیا ہے وہاں ایک دکھی روح کی گنجائش بھی رکھی ہے۔ مقبرہء جہانگیر ایک خوب صورت عمارت ہے جس کے مینار بہت بلند ہیں۔ اس میں باغات، روشیں اور فوارے ہیں اور اس کی حفاظت کے لیے مالی، نگہبان اور جاروب کش مامور ہیں۔ لوگ یہاں صبح وشام سیر و تفریح کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جب کہ شاعر کی قبر پر کوئی نہیں آتا، شاعر کی قبر مٹی کا ایک ڈھیر ہے۔ شاعر نے زندگی دکھوں، محرومیوں اور گمنامی میں گزاری ہے اس لیے اس کی قبر کا نشان بھی نہیں اور بادشاہ کی قبر پر لوگ صبح وشام آتے ہیں۔ اس نظم میں مجید امجد نے طبقاتی امتیاز کی بات کی ہے۔

اختر الایمان نے بیک وقت فیض اور میراجی کا اثر قبول کیا ان کی نظموں میں انسانی ہمدردی اور سماجی مسائل کا ذکر ملتا ہے۔ ان کی نظموں میں مجید امجد کی طرح رومانی تاثر بھی پایا جاتا ہے۔ اختر الایمان نے اپنے رومانی احساس کے ساتھ مٹتی ہوئی تہذیبی وثقافتی قدروں ،عصری حالات اور خیر وشر کے پہلوؤں پر غور کیا ہے۔ وہ ماضی کی مٹتی ہوئی اور لٹتی ہوئی قدروں کی پاسداری کرتے ہیں۔ اس حوالے سے ان کی نظم ''مسجد'' کافی اہم ہے۔ یہ نظم ان کے شعری مجموعہ ''گرداب'' میں شامل ہے۔ اس نظم میں اختر الایمان نے مغلیہ حکمرانوں کی طرز تعمیر کی عکاسی کی ہے اور مسلمانوں کا دور عروج وزوال بیان کیا ہے۔ یہ جھلک اقبال کی ''مسجد قرطبہ''، میراجی کی ''اجنتا کے غار'' مجید امجد کی نظم ''مقبرہ جہانگیر'' اور ساحر لدھیانوی کی نظموں ''تاج محل'' اور ''نور جہاں کے مزار پر'' میں بھی نظر آتی ہے۔ مسجد کی ویرانی کو اختر نے مسلمانوں کی شکست اور دور زوال کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ انھوں نے قوموں اور تہذیبوں کو وقت کے آئینے میں دیکھا ہے۔ اختر الایمان کی نظم ''مسجد'' میں مغلیہ فن تعمیر

کی ستائش کے پس منظر میں مٹتے ہوئے کلچر اور خاک ہوتی ہوئی تہذیب کا ذکر کیا ہے۔ اختر الایمان اور اقبال میں پائے جانے والے اشتراکات سے متعلق کوثر مظہری رقم طراز ہیں:

> ''اختر الایمان بھی علامہ اقبال کی طرح (چند نکات اور مفروضات سے متعلق اور دونوں کے ذہنی میلان میں اختلاف سے قطع نظر) ایک صحت مند اور صالح معاشرے کی تعمیر کے خواہاں ہیں۔ تہذیبی اقدار اور ماضی کی روایات سے ان کا رشتہ اسی لیے واضح طور پر استوار بھی ہے۔ اخلاقی اور تہذیبی امور سے انھیں شغف ہے جن سے معاشرے کی بنا مستحکم ہوتی ہے۔''(۱۰)

اختر الایمان نے میراجی کی طرح علامتی اسلوب کو نئے امکانات سے آشنا کرنے کی سعی کی ہے۔ اختر الایمان کی نظم ''مسجد'' ان کی علامتی نظموں میں زیادہ اہم ہے۔ ان کے یہاں مسجد مٹتی ہوئی مذہبی قدروں کی علامت بن کر ابھرتی ہے۔ اقبال کی طرح اختر الایمان نے بھی معاصر زندگی کی اقدار کو سمجھنے اور اس کی معنویت کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے۔ ان کی نظم فن تعمیر کے بطن میں زندگی کی بدلتی ہوئی قدروں کی طرف توجہ دلاتی ہے۔ اس نظم میں اختر نے پرانی قدروں کو زوال کے روپ میں دیکھا ہے، اختر کے مطابق وقت کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ماضی کی لازوال تہذیبی قدریں شکست کھا چکی ہیں۔ نظم میں ندی سیلِ وقت ہے اور مسجد مذہبی اقدار کے زوال کی علامت ہے۔ اختر سماجی اور تہذیبی رویوں کی تبدیلی میں وقت کو محرک سمجھتے ہیں۔ وقت کا یہی تصور ان سے قبل اقبال کے یہاں بھی ملتا ہے۔ اس بارے میں عقیل احمد صدیقی لکھتے ہیں:

> ''اختر الایمان کی شاعری میں ماضی ان سارے تجربات کا مترادف ہے جن کا تعلق انفرادی اور معاشرتی تجربوں سے ہے۔ ماضی کے یہ تجربات اختر الایمان کے انفرادی اور اجتماعی شعور کا حصہ ہیں جو یادوں کی شکل میں ان کے حافظہ میں محفوظ ہیں۔ یہ یادیں خوش گوار بھی ہیں اور تکلیف دہ بھی۔ اختر الایمان نے انھی یادوں کی دہلیز پر کھڑے ہو کر گزرتے ہوئے وقت اور اس کی بے پناہ قوت کا تماشا دیکھا اور دکھایا ہے۔ ان کے نزدیک ''وقت'' کو سماجی اور تہذیبی رویوں کے تعین اور تبدیلی میں زبردست محرک کی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے ہاں وقت کا وہ مابعد الطبیعاتی تصور نہیں ملتا جو اقبال کا ہے بل کہ وقت تاریخ کا

دوسرا نام ہے اور تاریخ فرد کی ہو یا معاشرے کی اس میں سارے لمحے یاد نہیں رکھے جاسکتے۔ وہی لمحے اہم ہوتے ہیں جو اہم واقعات کو جنم دیتے ہیں۔ ایسے واقعات جن سے قوموں یا افراد کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ ۱۸۵۷ء یا ۱۹۴۷ء جیسا کوئی واقعہ۔ ایسے واقعات اس لیے عموماً اہم ہوتے ہیں کہ ان سے قوموں کی تقدیر وابستہ ہو جاتی ہے۔ بعد میں جو کچھ ہوتا ہے وہ کسی ایسے ہی اہم واقعہ کا لازمی نتیجہ یا اثر ہوتا ہے جو ایک طویل وقت کا حصہ بن جاتا ہے۔ وقت کا یہ تصور اقبال کی نظم ''مسجد قرطبہ'' کے مصرعوں میں بھی اجاگر ہوا ہے۔''(۱۱)

اختر الایمان کے نزدیک تمدنی اور اقداری تبدیلیاں ایک ناگزیر تاریخی عمل ہے۔ وقت اور تعمیر کا فن اختر کی نظم ''مسجد'' کا بنیادی موضوع ہے۔ اختر الایمان نے طرز تعمیر کی عکاسی کرتے ہوئے، ایک ویران مسجد کی علامت میں مذہبی اقدار کے زوال کی بات کی ہے پابند ہیئت مربع اور قطعہ کی شکل میں لکھی گئی ہے۔ اختر کی نظم ''مسجد'' اور مجید امجد کی نظم ''مقبرہء جہانگیر'' میں ہیئتی اشتراک بھی ملتا ہے۔ اختر الایمان کی نظم ''مسجد'' کے یہ بند ملاحظہ کیجیے:

ایک ویران سی مسجد کا شکستہ سا کلس
پاس بہتی ہوئی ندّی کو تکا کرتا ہے
اور ٹوٹی ہوئی دیوار پہ چنڈول کبھی
گیت پھیکا سا کوئی چھیڑ دیا کرتا ہے

حسرتِ شام و سحر بیٹھ کے گنبد کے قریب
ان پریشان دعاؤں کو سنا کرتی ہے
جو ترستی ہی رہیں رنگِ اثر کی خاطر
اور ٹوٹا ہو ادل تھام لیا کرتی ہے!

یا ابابیل کوئی آمدِ سرما کے قریب
اِس کو مسکن کے لیے ڈھونڈ لیا کرتی ہے
اور محرابِ شکستہ میں مست کر پہروں

داستاں سرد ممالک کی کہا کرتی ہے

فرضِ جاروب کشی کیا ہے سمجھتا ہی نہیں
کالعدم ہو گیا تسبیح کے دانوں کا نظام
طاق میں شمع کے آنسو ہیں ابھی تک باقی
اب مصلّٰے ہے نہ منبر ، نہ مئوذن ، نہ امام

تیز ندّی کی ہر اک موج تلاطم بردوش
چیخ اٹھتی ہے وہیں دور سے فانی فانی
کل بہالوں گی تجھے توڑ کے ساحل کی قیود
اور پھر گنبد و مینار بھی پانی پانی!(۱۲)

ساحر لدھیانوی ایسے ترقی پسند شاعر ہیں جنھوں نے رومانیت کے دائمی اصول ومراتب کو اپنایا۔ انھوں نے رومانیت اور ترقی پسندیت کے امتزاج سے زندگی کی نہایت تلخ حقیقتوں کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے اپنے رومانوی اسلوب سے کائنات اور سماج کی ترجمانی کی ہے۔ غربت میں انسان کو اپنے خوابوں اور خواہشوں کو بیچنا پڑتا ہے۔ افلاس کی وجہ سے آدمی کی محبت بھی کسی زردار کا مقدر بن جاتی ہے۔ ایک مخصوص رومانوی آئیڈیل ازم کے باوجود ساحر کی نظمیں ''تاج محل'' اور ''نور جہاں کے مزار پر،، مغل شہنشاہوں کے طرز تعمیر اور جاہ وجلال کی یاد دلاتی ہیں۔ ساحر کے علاوہ بھی صفی لکھنوی اور دیگر شعرا نے تاج محل پر نظمیں لکھی مگر ان شعرا نے اپنی نظموں میں محض سطوت شاہی، مغلوں کی عظمت وجلال اور فن تعمیر کی ستائش بیان کی ہے۔ ساحر لدھیانوی نے پہلی بار تاج محل کا تاریک پہلو دکھایا ہے۔ انھوں نے اس نظم میں نہ تو تاج محل کا مذاق اڑایا ہے اور نہ ہی اس عاشق کا جس نے اپنی محبوبہ کی یاد میں اسے تعمیر کرایا بل کہ انھوں نے تاج محل کی علامت میں اس جاگیر دارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کا مذاق اڑایا ہے جہاں غریب کا استحصال ہو رہا ہے اور اس کی محبت کا کوئی نام ونشان نہیں۔ ساحر کہتے ہیں کہ یہ امتیازی اور طبقاتی نظام ایسا ہے کہ امرا اور وسامر نے کے بعد بھی اپنی محبت کی نشانیاں چھوڑ جاتے ہیں اور غریب کی محبت گم نام مر جاتی ہے۔ دراصل ساحر نے ''تاج محل'' میں جاگیر دار اور سرمایہ دار کی مذمت کی ہے۔ موضوع وہی ترقی پسندوں والا ہے مگر نظم کی تکنیک اچھوتی اور نئی ہے۔ ساحر کی نظم ''تاج محل'' کے بارے میں کوثر مظہری لکھتے ہیں:

"ساحر کی نظم "تاج محل" ہندوستانی تہذیب وثقافت کی علامت ہے ۔اس نظم میں عہد مغلیہ کا عکس بھی ہے۔ جاہ وچشم اور تہذیب وتمدن پر ساحر نے طنز بھی کیا ہے۔"(۱۳)

ساحر لدھیانوی کی نظم "تاج محل" ملاحظہ کیجیے:

تاج تیرے لئے ایک مظہر الفت ہی سہی
تجھ کو اس وادیٔ رنگیں سے عقیدت ہی سہی

یہ چمن زار یہ جمنا کا کنارہ ، یہ محل
یہ منقش در ودیوار یہ محراب یہ طاق
اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق(۱۴)

ساحر لدھیانوی کی اسی نوع کی ایک اور نظم "نُور جہاں کے مزار پر" ملاحظہ کیجیے:

پہلوئے شاہ میں یہ دختر جمہور کی قبر
کتنے گم گشتہ فسانوں کا پتہ دیتی ہے
کتنے خونریز حقائق سے اٹھاتی ہے نقاب
کتنی کچلی ہوئی جانوں کا پتہ دیتی ہے

کیسے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لیے
سالہا سال حسیناؤں کے بازار لگے
کیسے بہکی ہوئی نظروں کے تعیش کے لیے
سرخ محلوں میں جواں جسموں کے انبار لگے

سہمی سہمی سی فضاؤں میں یہ ویراں مرقد
اتنا خاموش ہے فریاد کناں ہو جیسے
سرد شاخوں میں ہوا چیخ رہی ہے ایسے

روحِ تقدیس ووفا مرثیہ خواں ہو جیسے

تو مری جان! مجھے حیرت وحسرت سے نہ دیکھ
ہم میں کوئی بھی جہاں نُور و جہانگیر نہیں
تو مجھے چھوڑ کے ٹھکرا کے بھی جا سکتی ہے
تیرے ہاتھوں میں مرے ہاتھ ہیں زنجیر نہیں(۱۵)

مذکور بالا نظموں میں موضوعاتی وہیئتی اشتراکات نمایاں نظر آتے ہیں۔ اقبال کی نظم مابعد کی نظموں سے مکمل موضوعاتی اشتراک کی حامل ہے۔ اگرچہ ہیئتی اعتبار سے یہ نظم مختلف ہے۔ یہ غزل مسلسل کی فارم میں ایک ترکیب بند نظم ہے جب کہ منتخب کی گئی دوسری نظمیں مربع، قطعہ، پابند، نیم پابند، معرا اور آزاد ہیئتوں میں ہیں۔ میراجی کی نظم تین شکلوں میں ہے۔ مجید امجد، اختر الایمان اور ساحر لدھیانوں کی نظمیں موضوع کے ساتھ ساتھ ہیئتی اعتبار سے بھی اشتراک وانسلاک کی عمدہ مثالیں ہیں۔ غزل میں طرح مصرع اور نظم میں موضوع دینے سے قائم ہونے والی اشتراکات وانسلاکات کی اس توانا روایت کے اثرات ہر دور کی اردو شاعری میں موجود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، فکرِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، ۲۰۰۵ء، ص ۳۷
۲۔ نگہت ناہید ظفر، انگریزی رومانوی شعرا کے اردو شاعری پر اثرات، لاہور: پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی ۲۰۱۵ء، ص ۲۱۴
۳۔ مظفر حسن ملک، اقبال اور ثقافت، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۶ء، ص ۴، ۴۶
۴۔ عبدالمغنی، ڈاکٹر، اقبال کا نظام فن، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص ۳۸۱
۵۔ حامدی کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو نظم اور یورپی اثرات، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، اشاعت اول ۱۹۶۸ء دوم ۲۰۱۰ء، ص: ۳، ۳۵۳
۶۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال اردو، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۷
۷۔ حامدی کاشمیری، ڈاکٹر، جدید اردو نظم اور یورپی اثرات، دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، اشاعت اول ۱۹۶۸ء دوم ۲۰۱۰ء ص ۴۵۸، ۴۵۷

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر۔ کلیاتِ میراجی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۲۳۰، ۲۲۹، ۲۲۸، ۲۲۵

۹۔ مجید امجد۔ کلیاتِ مجید امجد۔ مرتب، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۱۵۹، ۱۵۷

۱۰۔ کوثر مظہری، جدید نظم حالی سے میراجی تک، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص: ۳۱

۱۱۔ عقیل احمد صدیقی، جدید اردو نظم نظریہ و عمل، لاہور: بیکن بیکس، ۲۰۱۴ء، ص ۲۸۹، ۲۸۸

۱۲۔ اختر الایمان، کلیات اختر الایمان، مرتبہ، سلطانہ ایمان، بیدار بخت، کراچی: آج کی کتابیں، ۲۰۰۰ء، ص ۷۰

۱۳۔ کوثر مظہری، جدید نظم حالی سے میراجی تک، دہلی: عرشیہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص ۳۳۵

۱۴۔ ساحر لدھیانوی، کُلیاتِ ساحر، لاہور: سجاد پبلی کیشنز، سن۔ن، ص: ۱۱۲، ۱۱۱، ۱۱۰

۱۵۔ ایضاً، ص ۲۰۔۲۰۶